OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

اردو شاعری میں سلام و مرثیہ کی روایت

The Tradition of Salutations and Elegy in Urdu Poetry

Shumaila Rana

Doctoral Candidate Urdu, Govt. College Women's University, Faisalabad

Dr. Rukhsana Bibi

Assistant Professor of Urdu, Govt. College Women's University, Faisalabad

Abstract

Tradition of Naʿt in Urdu, from view point of diction and style, is very dynamic especially in the Rands of women this tradition meets novel standards of tone, rhythm and phraseology tinged in modern expressions of dominant effect. Multiple aspects covering. The Holy traits of Rasoolullah (PBUH) mirrored excellently in the genre of Naʿt by woman writers is the crux of this article.

Keywords: Diction, Dynamic, Novel, Phraseology, Tinged, Dominant, Multiple, Mirrored, Crux

تمہید

سلام عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سلامتی آداب اور رخصت کے ہیں۔ اصطلاح میں مرثیہ کی ذیلی صنف جو ہیت بحر اور تعداد اشعار کے لحاظ سے غزل کا سا انداز رکھتی ہو اور اس میں واقعات کربلا کا ذکر، سلام کہلاتی ہے۔ فیروز اللغات کے مطابق: ”سلام: (ع۔ ا۔ مذ) (۱) سلامتی، (۲) تسلیم، آداب، (۳) رخصت کرنا، (۴) خاتمہ، (۵) کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں صلوۃ و سلام عرض کرنا، (۶) سلام علیکم (ع۔ کلمہ، دعا) تم پر سلامتی ہو، (۷) دست بردار ہونا، (۸) خیر باد کہنا، (۹) سلام لینا، (۱۰) سلام نیاز۔“[1] فرہنگ کارواں کے مطابق: ”سلام (ع۔ مذکر)، (۱) تسلیم، بندگی، آداب، سلامتی، امن، (۲) غزل کے پیرایہ میں شہدائے کربلا کے حالات نظم کرنا، سلام پھیرنا، نماز ختم کرتے وقت اپنے دائیں بائیں اسلام علیکم ورحمتہ اللہ کہنا: نہ سجد درِ جاناں سے سر اٹھاؤں گا۔۔۔۔ یہ وہ نماز ہے جس کا کوئی سلام نہیں۔ سلام علیکم، تم پر سلامتی ہو، تم سلامت رہو، سلام کرنا، اسلام علیکم کہنا۔“[2]

CC BY

سلام، مرثیہ کی ذیلی صنف ہے جو ہیت بحر اور تعداد کے لحاظ سے غزل کا سا انداز رکھتی ہے۔ اس میں غزل کی طرح مطلع اور مقطع ہوتے ہیں۔ سلام کا ہر شعر بھی غزل کی طرح اکائی ہوتا ہے۔ اردو میں سلام نگاری کی ابتدا کے لیے کسی خاص عہد کا تعین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مذہبی شاعری کی روایت اردو میں اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود اُردو زبان اور یہی بات سلام نگاری کی صنف پر صادق آتی ہے۔ سلام کے قدیم نمونے محض ارادت و عقیدت کی فضا میں لکھے گئے۔ زبان و بیاں کی حیثیت ان میں ثانوی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ زبان و بیان کی ان مذہبی اصناف و موضوعات میں آمیزش ہونے لگی۔ مرثیہ گو شعراء کے ساتھ مستند غزل گو شعرانے سلام کی روایت عربی و فارسی سے کہیں بڑھ کر اردو میں پروان چڑھی۔ سلام کی ہیئت کے بارے میں ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کی رائے: ”سلام، غزل کی ہیئت میں لکھا جاتا ہے۔ غزل کی طرح سلام میں بھی مطلع اور مقطع ہوتا ہے۔ قوافی کی ترتیب بھی غزل کی ہیئت کے مطابق ہوتی ہے۔ غزل کی طرح سلام میں بھی ہر شعر اپنی جگہ ایک مکمل نظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کا دوسرے شعروں کے ساتھ منطقی اعتبار سے مربوط ہونا ضروری نہیں غزل کی طرح سلام کے لیے بھی کوئی عنوان تجویز نہیں کیا جاسکتا۔ سلام میں بھی اشعار زیادہ تر دس بارہ ہوتے ہیں۔ ایجاز و اختصار اور نکتہ سنجی کو سلام گو شعرا بھی ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں جہاں تک فارم کا تعلق ہے۔ سلام اور غزل میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا جاسکتا۔“[3] سلام کی صنف ادب میں مناقب علی، مناقب آلِ رسولؐ اور شہدائے کربلا کی شجاعت کے واقعات کو دہرایا جاتا ہے۔ سلام کی خوبی یہ ہے کہ طرح شگفتہ، بندش، صاف مضمون درد انگیز اور پُر تاثیر ہو۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری راقم طراز ہوتے ہیں: ”غزل کی طرح سلام کی ہیئت ہوتی ہے۔ سلام میں غزل کی طرح مطلع و مقطع بھی ہوتا ہے اور اشعار کی تعداد بالعموم پندرہ سے تجاوز نہیں ہوتی۔“[4] انیس کے سلام کا جائزہ لیا جائے تو یہ عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کے اشعار اپنے گداز اور سادگی و پُرکاری کی بدولت غزل کے قریب تر ہیں۔ انھیں دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ غزل کے اشعار ہیں۔ مگر ایسا ہرگز نہیں۔ اس طرح کے اشعار جن سے غزل اور سلام میں تشکیک پیدا ہوتی ہے:

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ — چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم — انھیں ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

سلام کی روایت (ارتقا)

دکنی دور میں جو مرثیے کہے گئے وہ غزل کی ہیئت میں نہیں۔ ان میں مرثیہ کے دیگر لوازم، خطیبانہ لہجہ گھن گرج، منظر نگاری، رزم و بزم وغیرہ موجود ہیں۔ انھی حقائق کی روشنی میں انھیں سلام کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کے (مرثیے) سلام کا مصرع اولیٰ ہے۔ محرم مہینے میں آیا اماماں کا سوغم پھر کروجھی، غواصی، شاہی، ہاشمی اور نوری وغیرہ نے جو مرثیے لکھے وہ غزل کی ہیت میں ہیں اور اس اعتبار سے سلام کی صنف سے قریب تر ہیں۔ میر تقی میر نے سات سلام لکھے ہیں۔ مصحفی و جرات، رنگیں، قائم چاند پوری کے ہاں بھی سلام مل جاتے ہیں۔ بہادر شاہ ظفر نے بہت سے سلام کہے اور بعض سنگلاخ زمینوں میں کہے۔ مرزا غالب کے دیوانِ اردو میں اکیس اشعار پر مشتمل ایک سلام ہے۔ میر ضمیر نے نہ صرف مرثیے کو فنی طور پر بلند کیا بلکہ نوحہ اور سلام کی روایت کو فنی طور پر مستحکم کیا۔ میر انیس کے سلاموں کے کئی مجموعے ان کی وفات کے بعد شائع ہوئے۔ ا۔ ذخیرہ ثواب ۲۔ شمع تعزیت ۳۔ گلدستہ انیس ۴۔ تجلیات انیس ۵۔ انیس کے سلام ۶۔ مراثی انیس۔

جعفر علی فصیح نے بھی سلام خوب کہے ہیں:

سلام لکھتا ہوں میں حرم میں، قلم سے زمزم ٹپک رہا ہے	سر اپنا کعبہ کے سنگ در پر، سیاہ پردہ لٹک رہا ہے

وہ سلام کہیے حسینؑ پر بہشت جس کا صلہ ملے	یہ طلب اپنی طرف سے ہے یہ وہاں دیکھیے کیا ملے[5]

میر مونس: سلام میں تمام مرثیہ گویوں سے آگے تھے۔ دلکش سلام، اس صنف میں بے حد کامیاب الفاظ کے دروبست اور ردیف کی نشست کیا کہنا:

عقدہ سلک گہر اے دیدہ تو کھول دے	ابر نیساں پر برس کر اپنے جوہر کھول دے

بادِ صرصر رن میں گر گیسوئے اکبر کھول دے	مشک نافہ، حلقہ زلفِ معتبر کھول دے

نکتہ داں طالب ہوں مونس سے جو ذکر شاہ کرم	اپنے بستے سے ابھی دفتر کے دفتر کھول دے[6]

مرزا غالب:

سلام اسے، اگر بادشاہ کہیں اس کو	تو پھر کہیں، کچھ اس سے سوا کہیں اس کو
نہ بادشاہ، نہ سلطان، یہ کیا ستائش ہے!	کہو کہ خامسِ آلِ عباؑ کہیں اس کو
فروغِ جوہر ایماں، حسین ابن علیؑ	کہ شمع انجمن کبریا کہیں اس کو
امام وقت کی یہ قدر ہے، کہ اہل عناد	پیادہ لے چلیں اور ناسزا کہیں اس کو

علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسینؑ	کرے جو ان سے برائی، بھلا کہیں اس کو
نبیؐ کا ہو نہ جسے اعتقادِ کافر ہے	رکھے امام سے جو بغض، کیا کہیں اس کو
بھرا ہے غالب دل خستہ کے کلام میں درد	غلط نہیں ہے کہ خونین نوا کہیں اس کو[7]

سلام کا فکری جائزہ

سلام کا فکری محور ''کربلا'' ہے۔ کرب وبلا اسرار حیات کائنات کی معرفت سے بھرپور ایک عظیم اخلاقی وتربیتی مخزن ہے۔ جس سے عالم امکان کی ہر چیز متاثر ہوتی ہے۔ یہاں تک کے ہر زبان کے ادب نے بھی کرب وبلا کے موضوع سے فکری روشنی کی بھیک مانگی ہے۔ بلاشبہ اس موضوع سے قطعہ نظر ادب اپنا مقام کھو دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کرب وبلا کی صحرا نوردی ہو یا شعب ابی طالب کی کسمپرسی چشم بینا کو ان کے صبر وایثار کے تابندہ نقوش ملتے ہیں۔ تاریخ نے جسے آغوش فاطمیؑ میں ہمکتے دیکھا دوش مصطفویٰ پہ ٹہلتے دیکھا، سینہ مرتضویٰ پہ مچلتے دیکھا، سلام اس قد آور شخصیت کے اعتراف کی علامت ہے۔[8]

سلام کا فنی جائزہ

ہیئت کے اعتبار سے سلام غزل کی طرح ہوتا ہے۔ اس میں غزل کی طرح مطلع ومقطع ہوتے ہیں۔ اور غزل ہی کی طرح ہر شعر الگ مفہوم رکھتا ہے۔ سلام کی ہیئتیں بدلتی رہتی ہیں۔ اور اسے ہر ہیئت میں لکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر شارب ردولوی کی رائے: ''اول یہ کہ کسی محفل میں مرثیہ پڑھنے کے لیے فضا بنانے کی ضرورت تھی تاکہ سامعین اپنے ذہن کو ایک طویل بیانیہ نظم سننے کے لیے تیار کرسکیں اور شاعر کو محفل میں ایسی فضا مل جائے جس میں اس واقعہ کو سننے کے لیے اس واقعہ کو سننے والے ہمہ تن گوش

ہو سکیں۔ اس مقصد کے لیے مرثیہ گو شعرا نے سلام اور رباعی کا استعمال کیا یعنی یہ ایک رواج بن گیا کہ مرثیہ پڑھنے سے پہلے شاعر پیش خوانی کے طور پر چند اشعار سلام کے پڑھنے لگا۔"[9] ☆ ہیئت کے اعتبار سے سلام ایک مقصد غزل ہوتا ہے۔ ☆غزل کی طرح سلام میں بھی رمزیہ انداز ہوتا ہے۔ ☆ سلام میں بھی تعلّی اور فخر و مبایات کے جذبات ہوتے ہیں۔ ☆ جس طرح غزل کے اشعار کی تعداد سات، نو اور گیارہ ہوتی ہے۔ اس طرح سلام میں بھی اتنی ہی تعداد کا تعین کیا گیا ہے۔ ☆ غزل کی سلام میں بھی مخصوص استعارات اور اصطلاحات کا استعمال ہوتا ہے۔ ☆سلام میں بھی غزل کی طرح حزینہ اور طربیہ استعمال کی گئی ہے۔ ☆سلام مرثیہ کی نسبت آسانی سے کہا اور یاد کیا جاتا ہے۔

غنایت

قافیہ، ردیف، حروف و الفاظ اور بحروں کے تال میں سے پیدا ہوتی ہے۔ جھنگ کے تینوں شعرا کے سلاموں میں غنایت پائی جاتی ہے۔ دلیل وجود اک نظارا نہیں صبا ہے مگر آشکارا نہیں[10] بہار ثنائے امام زمن ہے۔۔۔ چنو پھول گل بار باغ سخن ہے[11]

خوبصورت و دلکش مطلع

غزل کی طرح سلام کا پہلا شعر بھی مطلع کہلاتا ہے۔ جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ سلام نگاروں نے اپنے انداز میں خوبصورت مطلع کہے: شگفتہ گل مدح حیدرؑ رہے سلامی یہ محفل معطر رہے[12]

مقطع

سلام کا آخری شعر جس میں تخلص کا استعمال کیا گیا ہو، مقطع کہلاتا ہے۔ مطلع کی طرح مقطعوں میں ان شعرا نے بڑی محنت کی ہے: مدحت پنجتن و ذکر شہیدانِ حیدر یعنی قرآن نے مجلس کی بنا رکھی ہے[13]

تشبیہات

کسی مشترک صفت یا برائی کی وجہ سے ایک چیز کو کسی دوسری چیز کی جیسی قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔

علیؑ اصغر کو دیکھا اور ظالم کانپ کانپ اٹھا الٰہی پھول سا بچہ مگر لاکھوں پہ بھاری ہے[14]

استعارات

استعارہ کے لفظی معنی ادھار لینے کے ہیں۔ اصطلاح میں جب ایک چیز کو عین دوسری چیز مان لیا جائے تو استعارہ کہلاتا ہے۔

صنعت تضاد

کلام میں دو ایسے کلمے جو معنوی طور پر ایک دوسرے کی ضد ہوں تضاد کہلاتے ہیں۔

ادھر ہیں قتل کے نعرے ادھر سجدے میں سر ان کے اُدھر وہ سر کشی توبہ، ادھر کیا خاکساری ہے[15]

تلمیحات

کلام میں کسی واقعہ، قرانی آیت، حدیث یا فن کی اصطلاح کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔

نام لیتا ہوں محمدؐ کا تو پڑھتا ہوں درود دونوں لب میری زباں ہو کے بہم چومتے ہیں
دو شرف ایک جگہ پاتے ہیں جبریل امیںؑ دوشِ احمدؐ پہ وہ حیدرؑ کے قدم چومتے ہیں[16]

تراکیب سازی

سلام نگاروں نے دو لفظی، سہ لفظی تراکیب کا خوبصورت استعمال کیا ہے۔

مرثیہ کا تعارف

مرثیہ عربی زبان کے لفظ "رثا" سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب مرنے والے کی تعریف و توصیف کے ہیں۔ اصطلاح میں مرثیہ سے مراد وہ حزینہ نظم ہے جس سے میں کسی مرنے والے شخص کا ذکر انتہائی رنج والم، دردناک اور دل گداز انداز میں کیا جائے اس کی توبیاں اور محاسن حسرت ناک انداز میں پیش کیے جائیں۔ فیروز اللغات کے مطابق: مرثیہ وہ نظم ہے جس میں مرحوم کے اوصاف بیان کیے گئے ہوں۔ مصائب اور شہادت کو ذکر ہو[17] مولوی نجم الغنی رام پوری مرثیہ کے حوالے سے کچھ یوں لکھتے ہیں: کسی عزیز و قریب یا دوست خواہ امیر و رئیس کی وفات کا واقعہ اور حزن و ملال کا حال مرثیہ میں لکھتے ہیں اور یہ وضع صرف اہلِ فارس کی نہیں بلکہ یہ عرب میں بھی دستورِ قدیم ہے اور اب مرثیے وہی ہیں جن میں حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقا کی شہادت کا حال اور واقعہ کربلا لکھا جاتا ہے۔"[18]

مرثیہ کی اقسام

۱۔ تشریفاتی و رسمی مرثیہ: ایسے مرثیے جو سیاسی و قومی رہنماؤں کی وفات پر اظہار غم کے طور پر لکھے جائیں۔ اس قسم کے مرثیے زیادہ تر یوم قائد اعظم اور یوم اقبال کے موقع پر بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کی حیثیت تشریفاتی و رسمی ہوتی ہے۔

۲۔ شخصی مرثیے: ایسے مرثیے دوستوں، خاندان اور عزیزوں کی وفات پر لکھے جاتے ہیں۔ اقبال کا مرثیہ والدہ مرحوم کی یاد میں الطاف حسین کا مرثیہ غالب کی وفات پر ایسے مرثیوں کی مثالیں ہیں۔

۳۔ مذہبی اور کربلائی مرثیے: ایسے مرثیے جن میں زیادہ تر مذہب کے پیشوا امام اور شہدا کا ذکر ہو۔ امام حسینؑ اور ان کے عزیز واقارب اور دیگر شہدائے کربلا کا ذکر ہوتا ہے۔

مرثیہ کی خصوصیات

امرثیہ اردو شاعری کا حاصل ہے۔☆مرثیہ تمام اصناف کا عطر ہے۔☆مرثیہ میں غزل، مثنوی، قصیدہ اور ڈرامہ کی تمام خصوصیات یک جاہیں۔☆ مرثیہ میں فطری شاعری، منظر نگاری جذبات کی عکاسی، نقل و حرکت اور لفظی پیکر تراش کی مثالیں ملتی ہیں۔ اس طرح کی خصوصیات شاعری کی کسی اور صنف میں نہیں ملتی۔☆مرثیہ سے اردو ادب کو بیان کے نئے اسلوب اور اظہار کا زاویہ ملا۔☆مرثیہ نے اردو ادب میں تشبیہ اور استعارات کا اضافہ کیا۔☆مرثیہ کی بدولت اردو کے ذخیرہ الفاظ و تراکیب میں شاندار اضافہ ہوا۔ بقول رام بابو سکسینہ: مرثیہ کی صورت میں یہ تغیر: ہوا کہ بہ جائے چو مصرع کے اب مسدس کا رواج ہوا۔ اس کی ابتدا سودا سے ہوئی تھی اور خلیق نے اسے پھیلایا، سلام بھی بطورِ غزل کہے جانے لگے[19]

اردو شاعری میں مرثیہ کی روایت

اردو شاعری میں صنف غزل کے بعد مرثیہ کو بہت پذیرائی ملی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ صنف اپنے آغاز سے لے کر آج تک زندہ ہے اور تسلسل کے ساتھ ترقی کر رہی ہے۔ مرثیہ عربی سے فارسی اور وہاں سے اردو میں آیا۔ اردو مرثیہ دراصل دکنی دور سے شروع ہوا اور صوفیائے کرام کی ادبی کاوش ہے۔ دکن کی حکومتیں ریاستیں شیعہ مسلک سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کے یہاں شیعہ مسلک بھی سرکاری مذہب تھا۔ یہاں محرم الحرام کے دونوں میں ہر شب مرثیہ خوانی ہوتی تھی۔ اور مناقب امام عالی مقام بیان کیے

جاتے تھے۔ چھٹی محرم الحرام کو، علم عباس غازیؑ بر آمد کیا جاتا تھا۔ جس کے ساتھ محباں آئمہ اظہارؑ کی کثیر تعداد موجود ہوتی تھی۔ ان عقیدت مند مرثیہ نگاروں میں عبد اللہ قطب شاہ، اشرف وجہی، ذوقی، قادر، امامی، قائم، شرف برہان اور ہاشم علی کا بڑا نام ہے۔ اس دور میں مرثیے کے لیے کوئی خاص ہیئت مقرر نہ تھی۔ اشرف:

بانوؑ کہیں اصغر نہیں ان میں جھولاؤں کس کے تیئں
سونا ہوا ہے پالنا اب میں سولاؤں کس کے تیئں

سوتا تھا وہ جب نیند بھر پیتے اٹھاتی دود کوں
بیدم ہے دیکھو آج وہ اب میں جگاؤں کس کے تیئں
جب مسکراتا وہ بچہ میں شاد ہوتی دل منے
بے جاں پڑا ہے گور میں اب میں ہنساؤں کس کے تیئں
جب شہ کو غمگین دیکھتی لے جا کے دیتی گود میں
سوتا، کفنِ وہ اوڑھ کے اب میں لے ماؤں کس کے تیئں [20]

دکن کی طرح دہلوی دور میں بھی مرثیہ عروج پر تھا۔ مرثیہ کا یہ دور میر و سودا کے نام سے منسوب ہے۔ مسکین و حزیں و غمگین (تینوں بھائی) مرثیہ گو ہے متعقدمین میں اسم شاعر جس نے مرثیہ کہے وہ شاکر ناجی ہے۔ سودا نے واقعہ نگاری کی بنیاد رکھی ،واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا، ہر واقعے کو جزئیات کے ساتھ بیان کیا، ڈرامائی عناصر مکالمہ وغیرہ۔ قصیدہ کے عناصر، تشبیب، رزم و بزم گھوڑے یا تلوار کی تعریف، مرثیے میں شامل جو آگے چل کر مرثیہ کی روایت کا حصہ بن گیا۔ میر انیس اور مرزا دبیر نے اسے آگے بڑھایا۔ مرزا دبیر کی فطرت میں سودا کی فطرتِ موجود ہے۔ مرثیے کا نقشِ اول سودا ہیں۔ ان کا انداز:

کریں نہ اہل جہاں کس طرح شیون و شین — سروں کو اپنے نہ پٹیں سو کیوں وہ کرے بین

ہوا ہے آج کے دن قتل کربلا میں حسینؑ — یہ تعزیہ ہے رموز خدا کے محرم کا
بزار طرح کے دریا، رواں تھے دنیا میں — جو کوئی تھا سو وہ سیر اب تھا ہر اک جا میں
کئی غریب جو تھے کربلا کے صحرا میں — نصیب ان کو نہ قطرہ ہوا کسی یم کا
یہ ظلم کس زباں کو ہے کہنے کا یارا — نبیؐ کا قتل کیا ظالموں نے گھر سارا
جو ان میں تھا طفل شش ماہ اس کو بھی مارا — کیا نہ عمر نے کچھ فرق زائد و کم کا [21]

میر ضمیر نے مرثیہ کی ہیئت کو متعین کیا اور اس کے فنی حدود مقرر کیے اب تک مرثیے کی سادہ شکل تھی۔ آپ نے اس کی ہیئت بدلتے ہوئے ترتیب کے ساتھ پہلے چہرہ باندھا پھر رخصت سراپا، آمد، رجز، گھوڑے، اسلحہ اور دوسری چیزوں کی تعریفیں، رزمیہ بیاں اور آخر پر دعائیہ جز شامل کیا۔ جب حضرت امیر مسلمؑ کو کوفہ میں نرغہ اعدا نے گھیر لیا اس کا موقع میر ضمیر نے یوں کھینچا:

دیکھی اک برق چمکتی ہوئی تلواروں سے　　شہر کے کوچے قصے معمور ستم گاروں سے [22]

میر ضمیر اور میر خلیق کے بارے میں محمد حسین آزاد کی رائے: اظہار کمال میں دونوں استادوں کی رفتار الگ الگ تھی کیوں کہ میر ضمیر استعداد علمی اور زور طبع کے بازوؤں سے بلند پروازی کرتے تھے اور پورے اترتے تھے۔ میر خلیق مرثیت کے کوچے سے اتفاقاً قدم آگے بڑھاتے تھے۔ وہ مضمون آفرینی کو ہوس نہ کرتے تھے اور ہمیشہ محاورے اور لطف بیان کو خیالات دردِ انگیز کے ہاتھ ترتیب دے کر مطلب حاصل کرتے تھے۔[23] خلیق و ضمیر (دوسرا دور) کے بعد انیس و دبیر نے مرثیہ کی طرف توجہ دی اور اسے بام عروج تک پہنچایا۔ ان کی زبان سادہ تھی۔ انیس و دبیر کے مرثیوں میں یک جا ہو کر فن کی انتہائی بلندیوں کو چھونے لگے۔

میر انیس

انیس کے مرثیے، رزمیہ شاعری کے شہ کار ہیں۔ مناظر قدرت کے بیاں انسانی جذبات کی مصوری اور رزم آرائی ہیں۔ فنی مہارت، بلند تخیل اور مضمون آفرینی کی اس سے بہتر مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ انیس کے مرثیوں میں مبالغہ ہیں۔

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر　　ٹوٹے ہوئے تھے برچھوں والے حسینؑ پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر　　یہ دکھ نبیؐ کی گود کے پالے حسینؑ پر
تیر ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا　　گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا[24]

دبیر

مرثیے کی جن خصوصیات کی طرف انیس کا اشارہ ہے۔ وہی دبیر کے فن مرثیہ گوئی کا امتیاز بنی۔ انھوں نے قوت بازوئے حیدر جناب عباسؑ کی میدان جنگ میں آمد کی حسین منظر کشی کی ہے۔

کس شہر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے　　زن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رُستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے　　ہر قصر سلاطین زمین کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پیر کو　　جبریلؑ لرزتے ہیں سمٹتے ہوئے پیر کو[25]

تیسرا دور

جب انگریز ہندوستان پر قابض ہو گئے تو دہلی اور لکھنو کے ادبی مراکز بھی ختم ہو گئے اس وقت میر انیس کے بیٹے میر نفیس نے بھی اپنے بزرگوں کی نیک نامی میں اضافہ کیا۔

یہ تیغ وہ ہے سیل فنا کہتے ہیں جس کو　　یہ برق وہ ہے قہر خدا کہتے ہیں جس کو
باڑھ اس کی وہ آفت ہے بلا کہتے ہیں جس کو　　منھ اس کا وہ منھ ہے کہ قضا کہتے جس کو
جاتی نہیں بے جاں لیے جب آتی ہے سر پر　　ثابت نہیں ہوتا کہ کب آتی ہے سر پر[26]

مرثیہ کے اجزاء درج ذیل ہیں: ۱۔ چہرہ ۲۔ سراپا ۳۔ رخصت ۴۔ آمد ۵۔ رجز ۶۔ جنگ ۷۔ شہادت ۸۔ بین ۹۔ دعا

چہرہ: قصیدہ کے تشبیب کی طرح کا ہوتا ہے۔ جس میں شاعر حمد، نعت، منقبت علیؑ، امام حسینؑ کے علاوہ مکہ سے سفر، سفر کے پُر خطر حالات، گرمی کا موسم اور صبح کا منظر بیان کرتا ہے:

یوسف کی طرح رشک قمر تھے علی اکبرؑ　　آفت میں امامت کی سپر تھے علی اکبرؑ
دیکھی نہ سنی ایسی قرینے کی تمنا　　آغاز جوانی میں نہ جینے کی تمنا[27]

سراپا: یہ مرثیہ کا دور جزو ہے جس میں مرثیہ گو اپنے ہیرو کے قد و قامت خط و خال کے ساتھ اس کی روحانی و باطنی خوبیوں کا احاطہ کرتے ہوئے اس مکمل طور پر متعارف کرواتا ہے۔ ظہیر الدین حیدر نے یوسف زینب کے اوصاف حمیدہ کا یوں احاطہ کیا ہے:

مجموعہ خوبی تھے جہاں میں علی اکبرؑ　　اخلاق حُسینؑ زورِ علی حسنِ پیمبر
معصومیت فاطمہؑ خود داری سرورؑ　　وہ نام جو لکھا گیا دیوار حرم پر
تمثالِ نبیؐ جو تھا یہ گلفام وہی تھا　　حیدر کا خدا نے جو رکھا نام وہی تھا[28]

رخصت: اس حصہ میں مرثیہ گو اپنے ہیرو کے میدان میں جانے سے پہلے اس کے عزیز و اقارب سے ملاقات اور اجازت لینے کا منظر بیان کیا ہے۔ اور اسے میدان حرب میں روانہ ہوتا ہوا پیش کرتا ہے۔

یہ سن کے روانہ ہوا وہ عاشق باری　　حلقے میں تھیں گھیرے ہوئے سیدانیاں ساری
زینبؑ نے کہا اس طرح میں واری　　سب کو یہ تمنا تھی کہ شادی ہو تمہاری
اکبرؑ جسے دیکھو وہ ہے پروانہ تمہارا　　سب گھر کے لیے موت ہے مر جانا تمہارا[29]

آمد: آمد مرثیہ کا وہ حصہ ہے جس میں مجاہد کا شیرانہ انداز سے میدان جنگ میں وارد ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ وہ کس شان و شوکت سے میدان حرب میں آیا۔

کس درجہ ہیں یہ لوگ نڈر اور بہادر　　یہ جرات اقدام یہ آثارِ تہور
اس عزم ارادہ پہ تعلی نہ تفاخر　　عباد ہیں زباد ہیں آزاد ہیں اور حر
حیرت ہے کہ کس پیشہ جرات میں پلے ہیں　　بچے بھی جوانوں کی طرح مرنے چلے ہیں[30]

رجز: عربوں کے آداب جنگ کے مطابق جب کوئی میدان جنگ میں اترتا تو وہ دشمن پر دھاک بٹھانے کے لیے اپنا حسب و نسب بتاتے ہوئے اپنے آباؤ اجداد کی شہادت و بہادری کے کارناموں سے آگاہ کرتا تاکہ اس کی عظمت و شجاعت کا اندازہ ہو سکے۔

دل نور رسالتؐ سے منور ہے ہمارا　　ناموس انہی کا حرم گھر ہے ہمارا
یہ اوج یہ قسمت یہ مقدر ہے ہمارا　　فرزند نبی ہادی و رہبر ہے ہمارا
جو زندہ ہیں سرپائے مبارک پہ دھرے بس　　جنت میں وہ پہنچے جو رفاقت میں مرے ہیں[31]

جنگ: اگر نرغہ اعدا، ممدوح کی نصیحت پر عمل پیرانہ ہو تو وہ ان کے خلاف جہاد کرتا ہے۔ ادبی اصطلاح میں جنگ کہتے ہیں۔ مرثیہ کا یہ حصہ مجاہد کی شجاعت و بہادری کو قلم بند کرتا ہے:

کچھ عرصہ تو چلتی رہی تلوار پہ تلوار | گھبر اگیا اندازِ شجاعت سے جفاکار
گرنے لگے دست وبدن و فرق سے ہتھیار | غالب ہوا آخر پھر سید ابرار
شمشیر پڑی سر پہ خطاکار کو مارا | غل تھا علی اکبرؑ نے ستم گار کو مارا[32]

شہادت: دین کی بقا کے لیے دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہوئے جان دے دینا، شہادت کہلاتا ہے۔ یہ جز حاصل مرثیہ بھی کہلاتا ہے۔ اس حصے میں مجاہد کی کسمپرسی، اہل کربلا کا درد بیان کیا جاتا ہے۔

اے نازِ پدر رائے پیر عاقل و دانا | جو باپ کا حق تھا اُسے سمجھے اُسے جانا
دنیا نہ فراموش کرے گی یہ فسانا | افسوس بہت کم رہا جینے کا زمانا
اے نورِ نظر ماہ دو ہفتہ علی اکبرؑ | بس خواب ہوئی صحبت رفتہ علی اکبرؑ[33]

بین: اس حصہ میں اہل بیت کے نوحہ و گریہ کا منظر پیش کیا جاتا ہے۔ جب بھی کوئی جواں شہید ہوتا تو حضرت امام حسینؑ اس کی لاش مبارک کو خیمہ میں لاتے پھر اس شہید کے ارد گرد جمع ہو کر گریہ کرتے۔

مشکل تھا بہت لیلیٰؑ کا فریاد نہ کرنا | مشکل تھا بیاں درد کی روداد نہ کرنا
مشکل تھا غم حسرت برباد نہ کرنا | ماں ہو کے ذرا شکوہ بیداد نہ کرنا
جب دیر تلک گھر میں نہ آئے علی اکبرؑ | دل تھام کے ماں نے کہا ہائے علی اکبرؑ[34]

دعا: مرثیے کے آخر میں مرثیہ گو دعائیہ کلمات کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیاروں کا واسطہ دیتا ہے۔

ہاتھ اٹھا حیدر مغموم دعا کی خاطر | مرثیہ ہو یہ قبول آل عبا کی خاطر
میری کاوش نہیں نذر امرا کی خاطر | شمع لایا ہوں مزار شہدا کی خاطر
جس کو روتا ہے فرات آج بھی | اس پیاس کے نام دے
پیش کش میری یہ ہے | حضرت عباس کے نام[35]

مرثیہ کا فنی جائزہ

مذہبی شاعری میں موضوعات کے بارے میں تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ زبان و اسلوب کے بارے میں بھی فرق کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ مرثیہ میں عقیدت مندی، انکساری اور نیاز مندی کا عنصر موجود ہو۔ ہیئت کے اعتبار سے مرثیہ جات مسدس کی صورت میں ہیں۔ مرثیے اور نوحے دکھی اور غم زدہ زبان و بیان چاہتے ہیں۔ نغمے اور بت جوش و جذبے کا تقاضا کرتے ہیں۔ مثنوی عمدہ واقعات نگاری طلب کرتی ہے۔

جذبات نگاری

جذبات نگاری کو شاعری میں روح کی سی حیثیت حاصل ہے۔

منظر نگاری

منظر نگاری میں وہ سارے واقعات و حالات آجاتے ہیں۔ جن میں کسی حالت یا واقعہ کا منظر الفاظ کے ذریعے کھینچا جا سکتا ہے۔

آ کے داخل ہوئے جب گھر میں گرفتارِ بلا   سوگواروں نے عجب پایا وہاں کا نقشہ
غم رسیدوں نے ہر اک حجرے کو خالی دیکھا   دیتے تھے اہلِ عزا اہلِ عزا کو پُرسا
شورِ فریاد اٹھا مضطر و مضموم ملیں   ماں سے عباسؑ کی جب زینب و کلثوم ملیں [36]

مکالمہ نگاری

اعزاز نفس میں حضرت حسینؑ نے یتیم حسن شہزادہ علی قاسمؑ کو جب موت پر آمادہ پایا تو امام حسینؑ اور علی امیر قاسمؑ کے درمیان اس مکالمے کو مرثیہ گو ایسے پیش کرتے ہیں۔

کی عرض شہد سے اسے شیریں   سمجھتا ہوں آفات دہر میں ہے وہ گھوارہ سکوں
مرنے کا شوق چاہنے والوں سے کیا کہوں   جنت نہیں ہے اور جو حضرت ہوں دہنموں
فرمایا موت کا جو ہی اہتمام ہے   مژدہ ہو تجھ کو تیرا شہیدوں میں نام ہے [37]

رزمیہ

اردو میں رزمیہ کی مثال مرثیہ اور داستانوں میں ہے لیکن دونوں میں فرق ہے۔ مرثیے میں ایک ہی خاندان کے چند افراد کو جب کی داستان میں متعدد بادشاہوں اور شاہزادوں کے لشکر کے مابین جنگیں پیش کی جاتی ہیں۔

فصاحت وبلاغت

کلام جو حال کے موافق اور فصیح ہو بلاغت کہلاتا ہے۔ ''آبروئے وفا'' میں ظہیر الدین حیدر نے عباس غازی کی فصاحت وبلاغت کو یوں بیان کیا ہے:

کہتے ہیں آ گیا طوفان میں سفینہ اپنا   سخت دشوار نظر آتا ہے سینہ اپنا
مقصد زیست ہے بس مشکِ سکینہ اپنا   اس کو تیروں سے بچانا کبھی سینہ اپنا
مرحلے ایسے بھی آتے ہیں وفاداری میں   جان دینے سے خلل پڑتا ہے غم خواری میں [38]

تشبیہات واستعارات

کسی مشترک صفت یا برائی کی وجہ ایک چیز کو مانند قرار دینا، تشبیہ جب کہ ایک چیز کو عین دوسری چیز مان لینا استعارہ کہلاتا ہے۔

تشبیہات: گھیرے ہوئے جیسے زرِ گل کو پتیاں   یا جس طرح ہجوم نظر میں رخ شہاں

جنت میں جیسے قصرِ رسولؐ فلک مکاں   تاروں میں جیسے دو ہفتہ ضوفشاں [39]

استعارات: اے آسمان یہ نیرّ تاباں کی قبر ہے   اے انس و جاں یہ فخر سلیماں کی قبر ہے [40]

خلاصۂ بحث

اردو میں سلام نگاری کی ابتدا کے لیے کسی خاص عہد کا تعین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مذہبی شاعری کی روایت اردو میں اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود اُردو زبان اور یہی بات سلام نگاری کی صنف پر صادق آتی ہے۔ سلام کے قدیم نمونے محض ارادت وعقیدت کی

فضامیں لکھے گئے۔ زبان و بیاں کی حیثیت ان میں ثانوی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ زبان و بیان کی ان مذہبی اصناف و موضوعات میں آمیزش ہونے لگی۔ مرثیہ گو شعراء کے ساتھ مستند غزل گو شعرا نے سلام کی روایت عربی و فارسی سے کہیں بڑھ کر اردو میں پروان چڑھی۔ سلام کے حوالے سے مختلف اصناف میں بہت خوب صورت اور کامیاب تجربات ملتے ہیں۔ اردو کے مختلف شعرا کے سلام اور مرثیے سے متعلق اشعار سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اردو شاعری میں سلام اور مرثیے کی روایت نہایت پختہ اور خوب صورت ہے، جو زبان و بیان کی لطافتوں سے لبریز ہے۔

References

[1] Abū Al- Ijaz, Hafīẓ Ṣiddīqī, *Kashāf Tanqīdī Iṣlāhāt*, (Islāmābād: Muqtadraḥ Qaumī Zubān, 1985), 102

[2] Farmān Fateḥ Pūrī, Dr, *Mīr Anīs Ḥayāt aūr Shāirī* (Karachi: Urdu Academī, 1875),175

[3] Khawājaḥ Muḥammad Zakarīa, *Tarīkh Adbīyāt Muslmānān-e- Pākistān wa Ḥind,* (Lahore: University of the Punjab, 1971),3:222

[4] Muḥammad Zakarīa, *Tarīkh Adbīyāt,* 217-218

[5] Mirza Ghālib, *Dewān Ghālib* (Lukhnow: Nūl Kishūre Publīshers,1934), 412-416

[6] Moḥsin Naqvī, *Moj-e-Idrāk* (Lahore: Māwarāʿ Publishers, 2010), 36

[7] Shārib Rodalvī, Dr, *Tanqīdī Muṭālaʿy* (Lucknow: Nuṣrat Publīshers,1984),156

[8] Zahīruddīn Ḥaider, *Raẓaʿ-e Akbar* (Islāmābād: Muqtadraḥ Qaumī Zubān, 1985), 13

[9] Zahīruddīn Ḥaider, *Raẓaʿ-e Akbar,* 10

[10] Zahīruddīn Ḥaider, *Raẓaʿ-e Akbar,* 19

[11] Zahīruddīn Ḥaider, *Raẓaʿ-e Akbar,* 156

[12] Zahīruddīn Ḥaider, *Raẓaʿ-e Akbar,* 156

[13] Captn. Jaʿffar Ṭāhir, Salbīl, (Karachi: Urdu Academī, 1875),152

[14] Zahīruddīn Ḥaider, *Raẓaʿ-e Akbar,* 59

[15] Maulvī Ferūz-Al-Dīn, *Ferūz-al-Laghāt* (Lāhore: Ferūz-Limited, 1964), 672

[16] Maulvī Najam Al-Ghanī, *Bahr-Al-Faṣāhat* (Lāhore: Syed Qudrat Naqvī,1999), 17

[17] Rām Babū Saxīna, *Tarīkh Urdu Adab*(Lucknow: Nūl Kishūre, 1929), 372

[18] Rām Babū Saxīna, *Tarīkh Urdu Adab, 7-8*

[19] Rām Babū Saxīna, *Tarīkh Urdu Adab,14*

[20] Rām Babū Saxīna, *Tarīkh Urdu Adab,19*

[21] Rām Babū Saxīna, *Tarīkh Urdu Adab, 108*

[22] Rām Babū Saxīna, *Tarīkh Urdu Adab,131*

[23] Rām Babū Saxīna, *Tarīkh Urdu Adab,37*

[24] Zahīruddīn Ḥaider, *Raẓa ʿ-e Akbar,* 51

[25] Zahīruddīn, Ḥaider, *Raẓa ʿ-e Akbar,* 84

[26] Zahīruddīn, Ḥaider, *Raẓa ʿ-e Akbar,* 98

[27] Zahīruddīn, Ḥaider, *Raẓa ʿ-e Akbar,* 44

[28] Zahīruddīn, Ḥaider, *Raẓa ʿ-e Akbar,* 103

[29] Zahīruddīn, Ḥaider, *Raẓa ʿ-e Akbar,* 119

[30] Zahīruddīn, Ḥaider, *Raẓa ʿ-e Akbar,* 124

[31] Zahīruddīn, Ḥaider, *Raẓa ʿ-e Akbar,* 125

[32] Zahīruddīn, *Abrūy wafā* (Islāmābād: Muqtadraḥ Qaumī Zubān, 1985), 121

[33] Zahīruddīn, ʿ *Azāz Nafas* (Islāmābād: Muqtadraḥ Qaumī Zubān, 1985), 86

[34] Zahīruddīn, ʿ *Azāz Nafas,*26

[35] Zahīruddīn, Ḥaider, *Raẓa ʿ-e Akbar,* 49

[36] Zahīruddīn, Ḥaider, *Raẓa ʿ-e Akbar,* 44

[37] Zahīruddīn, ʿ *Azāz Nafas,*18

[38] Zahīruddīn, ʿ *Azāz Nafas,*56

[39] Zahīruddīn, ʿ *Azāz Nafas,*23

[40] Zahīruddīn, ʿ *Azāz Nafas,*89